وجیہ الدین

داغ دہلوی کے فکری و فنی امتیازات

انیسویں صدی میں جب ہندوستان کی مغلیہ سلطنت آخری سانسیں لے رہی تھی اور اردو زبان اپنی ترقی کی طرف گامزن تھی اس وقت 12 ذی الحجہ بروز چہارشنبہ 1246ھ بمطابق 25 مئی 1832 کو نواب مرزا خاں متخلص بہ داغ دہلوی کی ولادت دہلی میں ہوئی۔ جسے اس وقت شاہ جہاں آباد کہتے تھے۔ داغ دہلوی کا مکان چاندنی چوک کے جس کوچے میں واقعہ تھا وہ آج بھی کوچہ استاد داغ کے نام سے مشہور ہے۔ والد کا نام نواب شمس الدین احمد خاں رئیس لوہارو'' والی فیروز پور جھرکہ'' اور والدہ کا نام وزیر بیگم عرف چھوٹی بیگم بنت محمد یوسف کشمیری تھا جو کشمیری النسل تھیں۔(1) ابھی داغ کی عمر پانچ یا چھ سال کی تھی کہ ان کے والد کو دہلی کے ریذیڈنٹ ولیم فریزر(2) کے قتل کے الزام میں 8، اکتوبر 1835 کو پھانسی دے دی گئی۔ اس حادثے کے بعد ان کی خالہ عمدہ خانم نے ان کی پرورش کا ذمہ لیا۔ 9 سال کی عمر میں داغ اپنی خالہ کے ساتھ رام پور چلے گئے۔ ابتدائی تعلیم رام پور ہی میں حاصل کی۔(3) نامور لغت نویس غیاث اللغات کے مصنف غیاث الدین سے رام پور میں فارسی سیکھی اور مولوی سید احمد حسین ولد میر غلام حسین شکیبا شاگرد میر تقی میر بھی ان کے معلم تھے۔ خوش نویسی مرزا عباد اللہ کے علاوہ سید میر حسن پنجہ کش دہلوی سے سیکھی۔(4) یہ بہادر شاہ ظفر کے بھی استاد تھے۔

شوہر کی وفات کے بعد استاد داغ دہلوی کی والدہ نے بہادر شاہ ظفر کے بیٹے مرزا فخرو سے شادی کرلی تھی اور شوکت محل کے نام سے موسوم ہوئیں۔ 13 یا 14 سال کی عمر میں داغ بھی واپس دہلی آکر والدہ کے ساتھ قلعہ معلی میں رہنے لگے۔ چنانچہ اچھی تعلیم و تربیت سے آراستہ ہوئے۔ داغ نے مرزا فخرو کے کہنے پر جو ان کے سوتیلے باپ تھے اپنا تخلص'' داغ'' رکھا اور ان ہی کے کہنے پر استاد ذوق کے شاگرد بھی ہوئے۔ دوسری اطلاع کے مطابق بہادر شاہ ظفر ان کی طباعی کے مداح تھے۔ ان کو ہونہار سمجھتے ہوئے حکماً داغ کو خاقانِ ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق کے سپرد کیا۔ داغ کی عمر اس وقت گیارہ سال تھی۔(5)

ذوق کے انتقال کے بعد مرزا غالب کی صحبت ملی۔ 1856 میں مرزا فخرو کے انتقال کے بعد داغ اپنی والدہ کے ساتھ اپنے چاندنی چوک والے مکان (کوچہ استاد داغ) میں مقیم ہو گئے۔ قلعہ سے والدہ کی پینشن مقرر تھی۔ 1857 کے غدر کے بعد پینشن بند ہو گئی تو رام پور کی راہ لی۔ کلب علی خاں نے داغ کو معتمد خاص بنایا، انتظام کارخانہ جات اصطبل و گاڑی خانہ، فراش خانہ، کنول خانہ اور شتر خانہ سپرد کیا۔ دوسری اطلاع کے مطابق داروغہ اصطبل مقرر ہوئے۔(6) نواب یوسف علی خان ناظم اور ان کے فرزند نواب کلب علی خاں کے زمانے میں 24 سال تک دربار سے وابستہ رہے۔ رام پور میں شعرا کا مجمع تھا۔ سخت مقابلہ آرائی تھی۔ یہیں ان کی شاعری میں اور نکھار آیا۔ داغ مشاعروں میں حصہ لیتے تھے۔ نواب کے دربار میں اسیر، امیر مینائی، جلال اور، منیر جیسے شعرا موجود تھے۔ نواب صاحب کے ہمراہ داغ کو شرفِ بیت اللہ بھی نصیب ہوا۔ کعبہ کے سامنے بیٹھ کر یہ غزل لکھی۔

سبق ایسا پڑھا دیا تونے
دل سے سب کچھ بھلا دیا تونے

کچھ تعلق رہا نہ دنیا سے
شغل ایسا بتا دیا تونے

لاکھ دینے کا ایک دینا ہے
دلِ بے مدّعا دیا تونے

کیا بتاؤں کہ کیا لیا میں نے
کیا کہوں میں کہ کیا دیا تونے

بے طلب جو ملا، ملا مجھ کو
بے غرض جو دیا، دیا تونے

نارِ نمرود کو کیا گلزار
دوست کو یوں بچا دیا تونے

جس قدر میں نے تجھ سے خواہش کی
اس سے مجھ کو سوا دیا تونے

تھا مرا منھ نہ قابلِ لبیک
کعبہ مجھ کو دکھا دیا تونے

داغ کو کون دینے والا تھا
جو دیا اے خدا دیا تونے

خانۂ کعبہ سے واپسی کے بعد نواب کلب علی خان کے انتقال تک رام پور میں رہے۔ 1887 میں حیدرآباد کا رخ کیا۔ یہاں نظام والی حیدرآباد نواب میر محبوب علی خاں متخلص بہ آصف کے استاد مقرر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ایک اطلاع کے مطابق ابتداً ساڑھے چارسو روپے بعدۂ ایک ہزار روپے اور دوسری اطلاع کے مطابق دو ہزار روپے ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا جو تا حیات جاری رہا استادالسلطان کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ بعدۂ۔ مختلف خطابات سے بھی نوازے گئے۔ مثلاً ناظم یار جنگ، دبیرالدولہ جہاں استاد، فصیح الملک، بلبلِ ہندوستان وغیرہ۔(8)

داغ کی شادی 15 سال کی عمر میں ہی ہوگئی تھی اور اولاد میں صرف ایک لڑکی تھی جس کا نام لاڈلی بیگم تھا۔ اس کی شادی نواب سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی سے ہوئی تھی۔ ان کی بیوی کا انتقال 1316ھ یعنی داغ کے انتقال سے چھ سال پیشتر حیدرآباد میں ہوا تھا۔ استاد داغ دہلوی نے 74 سال کی عمر میں یعنی 16 فروری 1905 مطابق 9 ذی الحجہ 1322ھ کو حیدرآباد میں وفات پائی، نواب میرزا داغ سے ہی ان کی تاریخ وفات بھی نکلتی ہے۔ یعنی 1322ھ نواب مشرف جنگ بہادر نے ''ہائے لطفِ شاعری جاتا رہا'' سے تاریخِ وفات کہی (1322ھ) (10) انتقال سے پیشتر یہ شعر کہا تھا۔ جس سے ان کی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہوش و حواس تاب وتواں داغ جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

علامہ اقبال نے بھی داغ کے انتقال پر پُر سوز مرثیہ لکھا ہے۔ مرثیہ بند وار اور طویل ہے۔

عظمتِ غالب ہے اک مدت سے پیوندِ زمیں
مہدیٔ مجروح ہے شہرِ خموشاں کا مکیں

توڑ ڈالی موت نے غربت میں مینائے امیر
چشمِ محفل میں ہے اب تک کیفِ صہبائے امیر

آج لیکن ہمنوا! سارا چمن ماتم میں ہے
شمع روشن بجھ گئی، بزمِ سخن ماتم میں ہے

چل بسا داغ آہ! میت اس کی زیب دوش ہے!
آخری شاعر جہان آباد کا خاموش ہے!

اب کہاں وہ بانکپن وہ شوخیِ طرزِ بیاں!
آگ تھی کافور پیری میں جوانی کی نہاں

تھی زبانِ داغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے
لیلی معنی وہاں بے پردہ یاں محمل میں ہے

اس چمن میں ہوں گے پیدا بلبلِ شراز بھی
سینکڑوں ساحر بھی ہوں گے، صاحبِ اعجاز بھی

ہوبہو کھنچے گا لیکن عشق کی تصویر کون؟
اٹھ گیا ناوک فگن، مارے گا دل پر تیر کون؟

اے جہان آباد اے سرمایۂ بزمِ سخن!
ہوگیا پھر آج پامالِ خزاں تیرا چمن!

وہ گلِ رنگیں ترا، رخصت مثالِ بو ہوا
آہ! خالی داغ سے کاشانۂ اردو ہوا

داغ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔اسی وجہ سے لوگ ان کو''استاد داغ'' کے نام سے پکارتے تھے۔اکثر لوگ ڈاک سے اپنی غزلیں اصلاح کے لیے بھیجتے تھے۔علامہ اقبال نے بھی اپنا ابتدائی کلام ڈاک سے، داغ کے پاس اصلاح کے لیے بھیجا تھا۔علامہ اقبال کی شہرت کے بعد داغ ان کے شاگرد ہونے پر فخر کرتے تھے۔داغ کی شہرت میں چار چانداس وقت لگے جب نواب حیدرآباد کے استاد مقرر ہوئے۔

ان کے شاگردوں کی فہرست یوں تو کافی طویل ہے مگر ان میں علامہ اقبال کے علاوہ میر محمد علی المتخلص بہ رنج (پیدائش 1286ھ حیدرآباد) عبدالغفور خاں المتخلص بہ نامی (پیدائش 1282ھ، حیدرآباد) احمد عبد العزیز متخلص بہ وِلا شمس العلما عزیز جنگ کا خطاب ملا تھا، (پیدائش1272ھ،

وفات 1344ھ)، سید حسین علی خاں متخلص بہ امیر (پیدائش 1270ھ، وفات 1354ھ)، راجہ کشن پرشاد متخلص بہ شاد (پیدائش 1281ھ) غلام مصطفی تخلص رسا (حیدرآباد)، سید رضی الدین حسن متخلص بہ کیفی (پیدائش 1297ھ، وفات 1338ھ اجمیر) حاجی منشی سید وحیدالدین بے خود دہلوی (پیدائش 57-1856، بھرت پور، وفات 2 اکتوبر 1955 دہلی) نواب مرزا سراج الدین خاں سائل دہلوی (وفات 15 ستمبر 1945) نوح ناروی، افسر الشعرا آغا شاعر قزلباش دہلوی شاعر اور پنڈت تربھون ناتھ زتشی زار دہلوی (پیدائش 1870 وفات 1965) وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔(13)

زمانۂ غدر تک کا داغ کا کلام جس میں قصیدے، غزلیں، رباعیات، ترجیع بند اور قطعات شامل تھے ہنگامۂ غدر میں ضائع ہو گیا تھا۔ رامپور پہنچ کر اس ضائع شدہ کلام کو دوبارہ یادداشت کی بنا پر لکھا۔ پہلا دیوان گلزار داغ 1296ھ میں رامپور سے شائع ہوا۔ اس میں غدر سے پہلے کا کلام جو دوبارہ لکھا گیا تھا اور 23 یا 24 سال کا کلام جو رامپور میں کہا تھا شامل ہے۔ دوسرا دیوان ''آفتابِ داغ'' ہے یہ بھی ''گلزارِ داغ'' کے چھ سال بعد یعنی 1302 میں رامپور سے شائع ہوا۔ اسی سال ان کی مثنوی ''فریادِ داغ'' بھی شائع ہوئی تھی۔ ان کا تیسرا دیوان ''مہتابِ داغ'' 3 جمادی الثانی 1310ھ میں مطبع عزیز حیدرآباد دکن سے شائع ہوا۔ چوتھا دیوان ''یادگارِ داغ'' ہے اس میں 1310ھ سے 1322ھ تک کا کلام ہے۔ داغ کے شاگرد رشید حسن مارہروی نے 1335ھ میں دیوان یادگارِ داغ طبع کیا۔ اس میں غزلوں کے علاوہ اور متفرق کلام بھی شامل ہے کیونکہ مجموعہ نامکمل تھا، بعد میں لالہ سری رام مولف خمخانہ جاوید نے ایک ضمیمہ دہلی سے شائع کیا۔ حالانکہ محاورات پر مشتمل ایک اور دیوان کا ذکر ملتا ہے لیکن دستیاب نہ ہو سکنے کی صورت میں اس کی تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں۔ کلامِ داغ کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں۔

تفصیل کلام داغ:

عنوانات	گلزارِ داغ	آفتابِ داغ	مہتابِ داغ	یادگارِ داغ
غزلیں	389، اشعار 4943	129 اشعار 1752	292 اشعار 4176	156 اشعار 1772
رُباعیات	7	8	19	8
مخمسات	6، بند 75	-	2، بند 17	-
مسدّس	1، بند 23	-	-	-

قصائد	2،اشعار 120	۔	6،اشعار 510	2،اشعار 96
تاریخی قطعات	2، اشعار 20	۔	73،اشعار 330	34،اشعار 129
غیر تاریخی قطعات	۔	۔	4،اشعار46	3،اشعار 56
سہرا	۔	۔	4،اشعار 40	2،اشعار 33
سلام	۔	۔	2،اشعار 33	1،اشعار 21
متفرق اشعار	۔	۔	120	1088
گل اشعار	5278	1768	5318	2611

مکمل کلام کی تعداد :

غزلیں	966،اشعار 12643
رباعیات	42
مخمسات	8،بند 92
مسدّس	1بند 23
قصائد	10
تاریخی قطعات	109
غیر تاریخی قطعات	7
سہرا	6
سلام	3
متفرق اشعار	1208
کل اشعار (تقریباً)14975	14975

مثنوی کے 1840 شعار اس میں شامل نہیں ہیں۔ اگر ان اشعار کو بھی شامل کرلیں تو اشعار کی

تعداد 15815 ہوتی ہے۔(16)

داغ کی شاعری ان کی طبیعت اور ان کے مزاج کی ترجمان ہے۔ داغ ساری عمر عشقِ بتاں میں مبتلا رہے۔ حسن کی اداؤں سے لطف اندوز ہوتے رہے اور ان اداؤں سے اپنے اشعار کو سجاتے اور سنوارتے رہے۔ مثلاً یہ شعر ملاحظہ کیجیے۔

اے داغ اسی شوخ کے مضمون بھرے ہیں
جس نے مرے اشعار کو دیکھا اسے دیکھا 17 (آفتابِ داغ)

داغ کے لیے شاعری دلچسپی کا ذریعہ تھی اور ہر شعر ان کی زندگی کی جیتی جاگتی اور بولتی تصویر ہے۔ جو مضمون ادا کرتے تھے وہ ان کے دل کی یا ان کے ماحول کی آواز ہوتا تھا۔ وہ شعر اس وقت کہتے تھے جب وہ اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر مجبور ہو جاتے تھے۔ ان کی بے ساختگی اور آمد خود اس بات کا ثبوت ہے کسی خیال یا ذہنی کیفیت سے متاثر ہو کر شعر کہتے تھے۔ اس زمانے میں رام پور میں بے نظیر نامی میلہ ہوا کرتا تھا رامپور میں قیام کے دوران داغ بھی اس میلے میں شریک ہوتے تھے۔ ایک سال کلکتہ کی طوائف ماہِ منیر عرف منّی جان متخلص بہ حجاب جو سخن گو اور سخن فہم بھی تھی آئی ہوئی تھی۔ داغ اس پر کچھ اس طرح فدا ہوئے کہ اس کی شان میں 1840 اشعار پر مشتمل مثنوی فریادِ داغ محض تین دن میں لکھ بیٹھے۔ یہی جذبہ داغ کی شاعری کا محور ہے اس لیے ان کے اشعار تاثیر پارے بھی بنے ہیں۔ یہ داغ کی آپ بیتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

دل، پابند وضع کھِل کھیلا　　آ گیا بے نظیر کا میلا
یک بیک مرگِ ناگہاں دیکھی　　آفتِ جانِ ناتواں دیکھی
سامنا ہوگیا قیامت کا　　جلوہ دیکھا جو حور طلعت کا (استعارہ)
رہ گیا تھام تھام کر دل کو　　دیکھ کر اس پری شمائل کو (استعارہ)
آنکھ ملتے ہی پھر پتا نہ ملا　　دل کو میں ڈھونڈتا رہا، نہ ملا (محاورہ)
دل سے میں، مجھ سے دل جدا کوسوں　　رنگ چہرے سے اُڑ گیا کوسوں (محاورہ)
ہوش میں آؤں یہ حواس کسے　　آبرو کا لحاظ و پاس کسے
کہہ رہے تھے تجھے خدا کی قسم　　یار و غمخوار و مونس و ہمدم (تلمیع)
تجھ کو کیا ہوگیا بیان تو کر　　داغ تُو، ماجرا بیان تو کر
کیوں اُڑے ہیں حواس خیر تو ہے　　کیوں ہے ایسا اُداس خیر تو ہے (محاورہ)(18)

اس کے بعد احباب کی پریشانی اور حجاب کے آنے کا ذکر ہے نیز اس کے سراپا کا بیان کا بھی ہے۔

کسی اچھے کی دل ہی دل میں تلاش　　سج دھج، آفت، غضب تراش خراش

وہ اٹھی ہوئی نظر آہا　　وہ لچکی ہوئی کمر آہا
نشہ حسن کی ترنگ کا غضب　　نوجوانی کی تھی امنگ غضب
شوخیاں ہیں حجاب میں کیسی　　لن ترانی جواب میں کیسی
اُف رے عہدِ شباب کی مستی　　بے پئے ہے شراب کی مستی
ہائے تیرا کلام مستانہ　　ہائے تیرا خرام مستانہ
گرتے گرتے کبھی سنبھل جانا　　اِدھر آنا اُدھر نکل جانا
حُسن کی آن بان ہائے غضب　　بے نیازی کی شان ہائے غضب
رقصِ طاؤس باغ سے اچھا　　شعر کا لطف داغ سے اچھا
جس طرف اُٹھ گئی وہ شوخ نگاہ　　شور اُٹھا کہ بس خدا کی پناہ (19)

داغ نے جوفلسفۂ حیات اپنے اشعار میں بیان کیا ہے ان کے مزاج کے عین مطابق تھا۔ان کو مصیبت کی حالت میں بھی خوش رہنے کا راز معلوم تھا۔لہٰذا وہ پریشانی کی حالت میں بھی پریشان نہ ہوتے تھے۔مثلاً ان کا یہ شعر اس پر گواہی دیتا ہے۔

ہمّت کا ہارنا نہ، مصیبت میں چاہیے　　تھورا سا حوصلہ بھی طبیعت میں چاہیے (20)(محاورہ)

دوسرے شعر میں کہتے ہیں۔

جو دم ہے وہ ہے بسا غنیمت
سارا سودا ہے جیتے جی کا

آغاز کو کون پوچھتا ہے (طباق رتضاد)
انجام اچھا ہو آدمی کا (21)(مہتابِ داغ)

ماحول کو پیش کرنا یا منظر کشی بھی ایک ہنر ہے۔داغ نے برسات کا سماں اس عمدہ طریقے سے باندھا ہے کہ سارا منظر نگاہ کے سامنے آجاتا ہے۔

چرخ پر چھائی ہیں اس طرح گھٹائیں کالی　　جس طرح ہوں رخِ معشوق پہ زلفیں برہم
ہے سیہ ابر میں اس روپ پہ بگلوں کی قطار　　انجم کہکشاں کی ہو لڑی جیسے بہم
کہیں بادل کی گرج ہے کہیں بجلی کی کڑک　　کہیں بوندوں کی پھواریں کہیں برسے چھم چھم
نعرۂ مست کا بادل کی گرج میں انداز　　نگۂ شوخ کا بجلی کی تڑپ میں عالم
پسلیاں اب نہیں دریا کی دکھائی دیتیں　　خوب تن تن کے رواں ہونے لگی موجۂ یم
کہیں طاؤسِ چمن کی ہے نوائے دلکش　　کہیں آتی ہیں پپیہوں کی صدائیں پیہم

ہے کہیں گُل کی مہک تو کہیں بلبل کی چہک   کوک کوئل کی ہے ارگن سے بھی خوشتر ہر دم
بھینی بھینی ہے وہ خوشبو کہ معطر ہو دماغ   ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں ہیں کہ دل ہو خرّم
بوسے لیتا ہے شگوفے کے شگوفے کِھل کر   شاخ سے شاخ گلے ملتی ہے کیا کیا باہم

(محولہ بالا اشعار میں اندرونی قوافی اور صنعتِ تکرار کا حُسن غور طلب ہے۔)

یہی سبب ہے کہ داغ کا شمار اردو کے اہم استاد غزل گو شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کی کلیات یا چاروں دواوین میں سب سے زیادہ زور غزل پر ہے اور تعداد کے لحاظ سے بھی غزلیں سب سے زیادہ ہیں۔ ان غزلوں میں گونا گوں خیالات، اچھوتے استعارات وتشبیہات کے ساتھ موجود ہیں۔ زبان سلیس و رواں اور بامحاورہ ہے۔

ہر شاعر کے کلام پر اس کی زندگی اور ماحول کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے داغ بھی اس سے مُبرّا نہیں۔ داغ نے قلعۂ معلیٰ میں بھی زندگی گزاری، وہاں کا رنگین اور عیش پرور ماحول دیکھا۔ قلعۂ معلیٰ میں اردو سیکھی، جو مروجہ زبان کے لحاظ سے سب سے زیادہ معیاری اور مستند سمجھی جاتی تھی۔ قلعۂ معلیٰ کے ماحول اور اس کی تربیت نے بھی ان کی شخصیت کو نکھارا اور یہیں انھوں نے غزل گوئی کے آداب بھی سیکھے۔ دوسری طرف رامپور اور حیدرآباد کے نوابین کے دربار سے بھی وابستہ رہے، وہاں موجود شعرا سے مقابلہ آرائی بھی کی اور اپنی جگہ بنائی۔ 1857 کا غدر بھی دیکھا، دہلی اُجڑتی دیکھی۔ لہٰذا ان تمام مناظر کے اثرات ان کے کلام میں جا بہ جا موجود ہیں۔ دراصل داغ کا زمانہ تہذیبی، اخلاقی انحطاط کا زمانہ تھا۔ جس کے اثرات ان کی شاعری میں نمایاں ہوئے۔ (23)

داغ عاشق مزاج، حُسن پرست اور نغمہ وموسیقی کے دلدادہ بھی تھے۔ ان کے کلام میں حُسن وعشق کی واردات وکیفیات کا ذکر بے ساختگی اور برجستگی کے ساتھ موجود ہے۔ مثال کے طور پر ان کی غزل کا یہ شعر دیکھیے۔

ہر ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی
اُف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی (24) (آفتابِ داغ)

یا پھر یہ شعر............

کہتا ہوں تو رکتی ہے زباں سامنے اُس کے
لکھتا ہوں اگر حال تو لکھّا نہیں جاتا (25) (یادگارِ داغ)

بول چال کی زبان پر جیسی قدرت داغ کو تھی ایسی قدرت کسی اور شاعر کے یہاں ڈھونڈنا سعی لاحاصل ہے۔ شعر ملاحظہ کیجیے۔

ملاتے ہو اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے
مری جاں! چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے (26) (آفتابِ داغ)

داغ نے روزمرہ اور محاورں کے ہنرمندانہ استعمال سے اردو غزل کو ایک نئے رنگ و آہنگ سے روشناس کرایا۔

باتیں اس آئینہ رو کی بھی ہیں گویا کہ طلسم
آج تو خوب ہی شیشے میں اُتارا ہم کو (27) (محاورہ)

داغ کی شہرت ان کی زندگی ہی میں سارے ہندوستان میں پھیل چکی تھی جس کا ذکر اس شعر میں کیا ہے۔

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے (28) (گلزارِ داغ)

الفاظ کے ردّ و بدل اور ان کے مناسب استعمال کے ساتھ ساتھ مختلف صنعتوں کے برمحل اور برجستہ استعمال سے حُسن پیدا کرنے کا ہُنر داغ کی شاعری میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔

ہم جانتے ہیں خوب تیری طرزِ نگہ کو (29) (گلزارِ داغ)
ہے قہر کی آنکھ اور، محبت کی نظر اور (مترادف کا خوبصورت استعمال)

نکال اب تیر سینے سے کہ جانِ پُر الم نکلے
جو یہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے (30)

غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا
تمام رات قیامت کا انتظار کیا (31)

بایں ہمہ داغ نے دوسرے شعرا کی طرح تقریباً تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ خصوصاً صنفِ غزل میں حددرجہ کمال حاصل کیا ہے اور اپنا لوہا منوایا ہے۔ انھوں نے آسان اور مشکل زمینوں کے ساتھ ساتھ اساتذہ اور معاصر شعرا کی غزلوں پر بھی غزلیں کہی ہیں جن میں سودا، میرتقی میر، میر درد، جرأت، انشا، مصحفی، مرزا غالب، ذوق، اور مومن وغیرہ شامل ہیں۔

داغ کی فنکارانہ صلاحیت اور ادبی حیثیت و مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ غالب نے خود ان کے کلام کی کھل کر داد دی ہے اور ان کی ادبی کاوشوں کو سراہا ہے۔ اور ہر چند کہ داغ غالب کے حریف اور دشمن شمس الدین خاں کے بیٹے تھے لیکن شفیق اور محسن پھوپا بھی تھے۔ اس بات کی تائید خود داغ کے بیان کردہ ان واقعات سے ہوتی ہے۔

''میں نے مرزا غالب کی مشہور غزل

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

پر غزل کہہ کر جب انھیں سنائی تو بڑی تعریف کی۔ بعض اشعار پر تو مجھے گلے لگا لیا۔ میں نے اپنی غزل کا جب یہ شعر پڑھا۔

دلبروں پر طبعیت آتی ہے
اس طرح اس قدر نہیں آتی

تو یہ شعر حضرت غالب نے کئی دفعہ پڑھوایا اور بے حد پسند کیا۔ اس کے بعد جب میں اس شعر پر پہنچا۔

دل کے لینے کی گھات ہے کچھ اور
یہ تجھے مفت بر نہیں آتی

تو غالب بے چین ہو گئے۔ زانو پر ہاتھ مار کر بولے'' خدا نظرِ بد سے بچائے۔ صاحبزادے تم نے تو کمال ہی کر دیا۔ میری غزل کے اس شعر پر:

حال معلوم ہے قیامت کا
بات کہنے میں پر نہیں آتی

مرزا غالب کھڑے ہو گئے، مجھے سینے سے لگا لیا۔ دیر تک کھڑے کھڑے جھومتے رہے اور میرے شعر کو دہراتے رہے۔''

اسی طرح داغ نے ایک اور واقعہ بیان کیا ہے۔'' میں ہر دوسرے تیسرے روز غالب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ مختلف باتیں ہوا کرتی تھیں، شطرنج بھی ہوتی تھی۔ میں جب ہار جاتا تھا تو مرزا صاحب فرماتے کہ اس جرمانہ میں اپنی غزل سناؤ۔ ایک دفعہ میں شطرنج کی بازی ہارا، حسبِ معمول مرزا صاحب بولے کہ غزل سناؤ، میں غزل پڑھنا ہی چاہتا تھا کہ فرمایا میری کہی ہوئی زمین'' ناامیدی اس کی دیکھا چاہیے'' میں جو غزل تم نے کہی ہے وہ سناؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی، میرے اس شعر پر:

اے فلک سامانِ محشر ہی سہی
اپنی آنکھوں کو تماشہ چاہیے

مرزا غالب بولے میرے خیال کی کتنی پیاری ترجمانی کی ہے اور پھر اپنا شعر پڑھا......

ایک ہنگامہ پر موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

اس کے بعد میں نے اپنا یہ شعر پڑھا:

ترے جلوے کا تو کیا کہنا مگر
دیکھنے والے کو دیکھا چاہیے

شعر سن کر مرزا غالب اُف کر کے رہ گئے۔ میں نے فوراً یہ دوسرا شعر پڑھا:

گو تری نظروں سے کل گر ہی پڑیں
آج تو کوئی ٹھکانہ، چاہیے

میرے اس شعر پر غالب تڑپ گئے۔ بولے ٹھہر، زمین پر ہاتھ ٹیک کر اُٹھے، میرے گرد چار پانچ بار گھومے۔ گھومنے کی حالت میں نہایت دردناک آواز میں میرا شعر پڑھتے جاتے تھے۔'' (32) لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اتنے بڑے شاعر کے کلام کو آج تک مرتّب کر کے مکمل کلیات کی شکل میں شائع نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ متعدد بار محض انتخاب کی شکل میں ہی پیش کیا گیا۔ لہٰذا میرا معروضہ ہے کہ اگر کسی پروجیکٹ کے تحت داغ دہلوی کے مکمل کلام کو مرتّب کر کے شائع کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ اس سے نہ صرف مطالعۂ داغؔ کی راہیں کھلیں گی بلکہ داغ کے کلام کی اہمیت بھی واضح ہوگی۔

خطوط داغ :

داغ کے خطوط کا مجموعہ کئی بار شائع ہو چکا ہے۔ 237 خطوط کا مجموعہ احسن مارہروی کے بیٹے سید رفیق مارہروی نے ''زبان داغ'' کے نام سے ترتیب دے کر 1956 میں نسیم بک ڈپو لکھنو سے شائع کیا تھا۔ یہ مجموعہ 292 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مجموعہ میں شامل خطوط کی تفصیل اس طرح ہے۔

اعزہ 4 خطوط، احباب 19 خطوط، ارباب نشاط 17 خطوط، تلامذہ 149 خطوط، والیانِ ریاست و امرا 27 خطوط، متعلقین اور عام قدر دان 21 خطوط، کل خطوط کی تعداد 237 ہے۔ یہ خطوط اردو اور فارسی زبانوں میں ہیں۔ ان خطوط میں داغؔ کے رشتہ دار اور علاتی بہن بھائیوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جو ان کی والدہ وزیر بیگم کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ (33) ان خطوط سے داغ کی سوانح پر بھرپور اور مفید روشنی پڑتی ہے۔ ان خطوط کی ادبی اہمیت تو مسلّم ہے ہی ساتھ ہی ان سے اس وقت کے ادبی ماحول کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یعنی بہت سے شعرا جو داغ سے اصلاح لیتے تھے یا وہ جو ادیب تھے جن کا ذکر ممکن ہے کہیں اور نہ ہو مگر ان خطوط میں ضرور محفوظ ہے۔ اغلب ہے کہ ان کا کلام بھی ان خطوط میں محفوظ ہوگا۔ اگر ان خطوط کا تجزیہ کیا جائے تو ادبی ماحول کے ساتھ ساتھ تاریخی، سیاسی اور معاشرتی حالات کو سمجھنے میں یہ خطوط مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

منابع اور تعلیقات :

(1) داغ دہلوی کے مورث اعلیٰ عارف جان تھے جو اپنے دو بھائیوں قاسم جان (یہ وہی

قاسم جان ہیں جن کے نام سے دہلی میں ''گلی قاسم جان'' مشہور ہے، جہاں مرزا غالب کا گھر اور سسرال تھی)اور عالم جان کے ساتھ عہد احمد شاہ (54-1748) میں ہندوستان وارد ہوئے تھے۔ حوالہ کے لیے دیکھیے داغ دہلوی (مختصر سوانحی کوائف) مخمور سعیدی، بشمولہ ''فکر و تحقیق'' سہ ماہی، داغ دہلوی نمبر، صفحہ 103، جلد 9، شمارہ 4، 2006 ''قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان''، نئی دہلی۔

بشیر الدین کے مطابق مرزا داغ کے پر دادا نواب عارف خاں صاحب مع اپنے بھائی کے عالم گیر ثانی کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے۔ (یہاں نام اور وقت دونوں میں تضاد ہے۔) حوالہ کے لیے دیکھیے ''واقعات دارالحکومت'' دہلی، حصہ دوم، صفحہ 447، اردو اکادمی، دہلی، 2001، اس کے برخلاف محمد حسین آزاد نے آبِ حیات میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''بخارا میں خواجہ عبدالرحمن یسوی ایک رئیس عالی خاندان خواجہ احمد یسوی کی اولاد میں تھے۔ اتفاق زمانہ سے وطن چھوڑ کر بلخ میں آئے......خدا نے تین فرزند عطا فرمائے۔ قاسم جان، عالم جان، عارف جان.....وہ وقت تھا کہ شاہ عالم بادشاہ تھے اور میرن کے بنگالہ میں فوج لیے پڑے تھے۔ یہ بھی وہیں پہنچے اور دلاوری کے ساتھ ایسی جانفشانی دکھائی کہ نواب قاسم جان کو ھفت ہزاری منصب اور شرف الدولہ سہراب جنگ خطاب عطا ہوا۔ جب بادشاہ وہاں سے پھرے تو تینوں بھائی دہلی میں آئے اور یہیں سکونت اختیار کرلی......نواب عارف جان دیہات جاگیر وغیرہ کا انتظام کرتے تھے۔ انھوں نے وفات میں بھی اپنے برادر ارجمند نواب قاسم جان کا ساتھ دیا اور چار بیٹے چھوڑے نبی بخش خاں، احمد بخش خاں، محمد علی خاں، الٰہی بخش خاں، نواب احمد بخش خاں راجہ بختاور سنگھ والی ریاست الور کی طرف سے معتمد اور وکیل ہوکر لارڈ لیک صاحب بہادر کے ساتھ ہندوستان کی مہمات میں شامل رہے......ان کے بڑے بیٹے نواب شمس الدین خاں جانشین ہوئے۔'' یہی نواب شمس الدین خاں داغ دہلوی کے والد ماجد تھے اور مذکورہ بالا الٰہی بخش خاں آگے چل کر مرزا غالب دہلوی کے خسر ہوئے۔ دیگر الفاظ میں غالبؔ دہلوی داغ کے پھوپا تھے۔ یہاں محمد حسین آزاد کی رائے درست معلوم ہوتی ہے۔ حوالہ کے لیے دیکھیے ''آبِ حیات'' صفحہ 456,457، 1887، مفید عام پریس، لاہور۔

ایک اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ سید محمد میر سوز (وفات 1213ھ لکھنو) کے بیٹے کا تخلص بھی داغ تھا۔ لیکن ان کا کلام دستیاب نہیں ہے۔ بحوالہ ''آبِ حیات'' ایضاً صفحہ 200

مرزا داغ دہلوی کے نانا محمد یوسف کشمیری پیشے سے سادہ کار یعنی سنار تھے۔ ان کی تین بیٹیاں تھیں۔ بڑی بیٹی کا نام راحت النسا تھا اس نے باقاعدہ شادی کر لی تھی۔ منجھلی عمدہ بیگم نواب یوسف علی خاں ولی عہد رامپور سے ان کے زمانہ ولی عہدی سے وابستہ ہوگئی تھیں۔ داغ کی والدہ وزیر بیگم عرف چھوٹی بیگم یکے بعد دیگر پانچ لوگوں سے وابستہ رہیں۔ (حوالہ کے لیے دیکھیے داغ دہلوی مختصر سوانحی

کوائف مخمور سعیدی، بشمولہ فکر وتحقیق، داغ دہلوی نمبر ایضاً صفحہ 106)

(2) داغ کی پیدائش کے بعد داغ کی ماں کا ربط وضبط دہلی کے گورنر جنرل فریزر سے بڑھا۔ جسے نواب شمس الدین برداشت نہ کر سکے۔ 22 مارچ 1835 کو فریزر کا قتل ہوا۔ نواب شمس الدین کو اسی قتل کی سازش کے سلسلے میں 8، اکتوبر 1835 کو پھانسی ہوئی۔ اس کے بعد چھوٹی بیگم کی کفالت نواب یوسف علی خاں والی رامپور جو اس وقت دہلی میں مقیم تھے، کرتے تھے۔ 1841 میں چھوٹی بیگم نے آغا تراب علی سے تعلقات بڑھانے شروع کیے اور ان سے شادی کر لی۔ لیکن 1844 میں ان سے سبکدوش ہو کر مرزا فخرو سے شادی کر لی۔ 1856 میں مرزا فخرو کے انتقال کے بعد ایک اور انگریز بلاک صاحب سے ان کا سلسلہ ہو گیا اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام مسیح جان عرف بادشاہ بیگم اور تخلص خفی تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے انتخاب کلام داغ، مرتّب ڈاکٹر محمد عقیل، مقدمہ صفحہ 13-11، ہندوستانی اکادمی، اشاعت اوّل 1960 الہ آباد، اتر پردیش۔

(3) اردو شاعری میر سے پروین شاکر تک، قاضی مشتاق احمد، صفحہ 101، اشاعت اوّل، 2002، مکتبہ جدید دہلی۔

(4) داغ دہلوی نور اللہ محمد نوری، صفحہ (2)، مطبوعہ اعظم، اسٹیم پریس، 1355ھ، چار مینار، حیدر آباد، دکن۔ و۔ واقعات، دار الحکومت دہلی، ایضاً صفحہ 448

(5) اردو شاعری میر سے پروین شاکر تک، قاضی مشتاق احمد، صفحہ 101، و داغ دہلی، نور اللہ محمد نوری، صفحہ 2

(6) داغ دہلوی، نور اللہ محمد نوری، صفحہ 5۔ و۔ اردو شاعری میر سے پروین شاکر تک، قاضی مشتاق احمد، صفحہ 101

(7) انتخابِ کلام داغ، مرتّب کردہ ڈاکٹر محمد عقیل، صفحہ 130

(8) داغ دہلوی، نور اللہ محمد نوری، صفحہ 11۔ و۔ دکن میں اردو، نصیر الدین ہاشمی، صفحہ 547، پہلا ایڈیشن، مارچ، 1985، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی۔

(9) داغ دہلوی، نور اللہ محمد نوری، صفحہ 22

(داغ کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی بلکہ لاڈلی بیگم ان کے رشتہ کی بھانجی اور منہ بولی بیٹی تھی۔ حوالہ کیے لیے دیکھئے، داغ اور ان کے دہلوی شاگرد، گلزار دہلوی، بشمولہ فکر وتحقیق، سہ ماہی، داغ دہلوی نمبر، صفحہ 48، شمارہ نمبر، 4، جلد نمبر 9، سنِ اشاعت 2006

(10) داغ دہلوی، نور اللہ محمد نوری، صفحہ 24-22

(11) انتخاب کلامِ داغ، مرتبہ بیگم ممتاز میرزا، صفحہ 74، ساتواں ایڈیشن، 1999، اردو اکادمی، دہلی۔

(12) کلیاتِ اقبال، (بانگِ درا) صفحہ 89، سنِ اشاعت ندارد

(13) داغ اور ان کے دہلوی شاگرد، گلزار دہلوی، بشمولہ فکر و تحقیق، سہ ماہی، داغ دہلوی، نمبر صفحہ 42۔ و۔ داغ دہلوی، نور اللہ محمد نوری، صفحہ 177

(14) مثنوی فریادِ داغ کا پہلا ایڈیشن، 1882 میں مطبع العلوم و اخبار نیّر اعظم مراد آباد سے پندرہ سو کی تعداد میں شائع ہوا تھا۔ اس کے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جانے کے سبب اسی سال دوسرا ایڈیشن طبع ہوا بعد میں اس مطبع نے تین اور ایڈیشن شائع کیے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے داغ کی خطوط نگاری، شمس الدین بدایونی، بشمول فکر و تحقیق، داغ دہلوی نمبر، صفحہ 253 (حواشی) ایضاً

(15) نور اللہ محمد نوری، کتاب داغ دہلوی کے مصنف نے یادگارِ داغ کی تفصیل اس طرح لکھی ہے۔ غزلیں 156 تعداد اشعار 1772، رباعیاں 8 (16 شعر)، قصائد 2 تعداد اشعار 96، قطعاتِ تاریخی 34 تعداد اشعار 129، غیر تاریخی قطعات 3، تعداد اشعار 56، سہرے 2، تعداد اشعار 33، سلام 1، تعداد اشعار، 21، متفرق اشعار 1088، کل تعداد اشعار 2611۔ یہاں کل اشعار کی تعداد غلط درج ہے۔ 2611 کے بجائے 3211 ہونی چاہیے۔ دیگر الفاظ میں 600، اشعار کم بتائے ہیں۔ حوالے کے لیے دیکھیے داغ دہلوی، نور اللہ محمد نوری، صفحہ 91

(16) ایضاً صفحہ 91

(17) آفتابِ داغ، صفحہ 24، انوار المطابع، 1922، لکھنؤ، یوپی

(18) داغ دہلوی نور اللہ محمد نوری، صفحہ 34-33

(19) ایضاً صفحہ 35-34

(20) ایضاً صفحہ 62

(21) انتخابِ کلام داغ، مرتبہ، محمد عقیل صفحہ 196۔ و۔ انتخاب کلام داغ مرتبہ بیگم ممتاز میرزا، صفحہ 45

(22) داغ دہلوی نور اللہ محمد نوری، صفحہ 84-83

(23) داغ کا زمانہ تہذیبی اور اخلاقی انحطاط کا زمانہ تھا۔ اس وقت تعیش پسندی، عیاشی و سرمستی کی طرف عام میلان تھا۔ طوائفوں کو اس عہد میں خاصی اہمیت حاصل تھی۔ امرا، اور رؤسا کے لیے تفریح اور دلچسپی کا مرکز بن گئی تھیں۔ کوٹھوں نے ایک ادارے کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ بجائے گھر کے طوائفوں کے کوٹھوں پر تہذیبی اور مجلسی آداب سکھائے جاتے تھے۔ امرا اپنے بچوں کو تہذیب سکھانے کے لیے یہاں بھیجتے تھے اور خود بھی جاتے تھے۔ سماج میں اس کو برا نہ سمجھا جاتا تھا۔ اس قسم کی عورتیں حرم کی زینت بھی بنتی تھیں۔ ان سے وابستگی کو ایک لازمۂ زندگی سمجھا جانے لگا۔ قلعہ اور قلعہ سے باہر ہر طرف شعر و سخن

کے چرچے تھے۔ نادر شاہ، احمد شاہ ابدالی، غلام قادر روہیلہ اور مرہٹوں کی لوٹ مار سے دہلی بے حال تھی۔ سیاسی ابتری تھی۔ پژمردگی کا احساس روز افزوں تھا۔ بادشاہ کی حکومت قلعہ تک محدود تھی۔ جس وقت مرزا فخرو نے چھوٹی بیگم یعنی داغ کی والدہ سے شادی کی یا رشتہ جوڑا اس وقت منی بیگم کی عمر ڈھل چکی تھی اور مرزا فخرو کی عمر 24 سال تھی۔ ملاحظہ کیجیے فخرو جو ولی عہد تھے قلعے میں بیٹھ کر شہر کی عورتوں کی کیسی خبر رکھتے تھے اور وہ بھی ایسی ادھیڑ عمر کی جو چار آدمیوں کے ساتھ رشتہ رکھ چکی تھی۔ منی بیگم نے مرزا فخرو کے انتقال کے بعد پھر ایک اور انگریز افسر سے رشتہ قائم کیا۔ جس کا ذکر گزشتہ صفحہ میں آچکا ہے۔ جب ولی عہد کا یہ حال تھا تو عوام یا امرا کا کیا حال ہوگا۔ اسی ابتری اور بد حالی اور طوائف الملوکی کا انگریزوں نے فائدہ اٹھایا۔ حوالے کے لیے دیکھیے مقدمہ دیوانِ ذوق از محمد حسین آزاد، صفحہ ۴۴، سال اشاعت ندارد۔ و، انتخابِ کلام داغ مرتبہ محمد عقیل، صفحہ 13

(24) آفتابِ داغ، ایضاً صفحہ 102

(25) انتخابِ کلام داغ مرتبہ محمد عقیل، صفحہ 255

(26) آفتابِ داغ، ایضاً صفحہ 62

(27) داغ اپنی غزل کے آئینے میں، مغنی تبسم، بشمولہ فکر و تحقیق، سہ ماہی، داغ دہلوی نمبر، صفحہ 97، ایضاً

(28) انتخابِ کلامِ داغ، مرتبہ بیگم ممتاز میرزا، صفحہ 288

(29) ایضاً صفحہ 109

(30) داغ دہلوی، نور اللہ محمد نوری، صفحہ 3

(31) انتخاب کلام داغ، مرتبہ بیگم ممتاز میرزا، صفحہ 66

(32) بزمِ غالب، عبدالرؤف عروج، صفحہ 154-152 مارچ 1969 مطبع ایجوکیشنل پریس، ادارہ یادگارِ غالب، کراچی، پاکستان

(33) داغ کی خطوط نگاری، شمس الدین بدایونی، بشمولہ فکر و تحقیق، داغ دہلوی نمبر، ایضاً، صفحہ 219,222,223

●

پتہ:
Wajihuddin
Deptt. of Persian & Urdu
M. S. College, Baraude, (Gujarat)